ایران اور پاکستان) کے مابین (کم از کم تاثر کی حد تک) مخاصمت پر مبنی سرگرمیوں کو ایک بین الاقوامی تنظیم کے پلیٹ فارم سے باہمی مفاد کے لیے اجتماعی کوششوں میں بدلا جاسکے۔ ایران نے ۱۹۸۵ء میں ای سی او کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ ای سی او دراصل "علاقائی تعاون برائے ترقی" (آر سی ڈی) تنظیم کے احیاء کی کوشش تھی۔ آر سی ڈی ۱۹۶۴ء میں تشکیل دی گئی تھی جس کے ممبر ممالک میں ایران، پاکستان اور ترکی شامل تھے۔ آر سی ڈی کا تجربہ بوجوہ کامیاب ثابت نہ ہو سکا۔ ایران میں اسلامی انقلاب (۱۹۷۹ء) کے فوراً بعد انقلابی حکومت نے آر سی ڈی کو ختم کرنے کا اعلان کیا۔ ۱۹۸۳ء میں ایران نے دوبارہ آر سی ڈی کے احیاء کا عندیہ دیا۔ پاکستان اور ترکی نے بھی اس سلسلے میں مثبت رویے کا اظہار کیا۔ چنانچہ مئی ۱۹۸۴ میں پاکستان، ایران اور ترکی کے مابین سہ طرفہ تعاون کو فروغ دینے کے لیے آر سی ڈی کے احیاء کا اعلان کیا گیا۔ ۱۹۸۵ء میں ایران ہی کی تجویز پر آر سی ڈی کا نام بدل کر تنظیم برائے اقتصادی تعاون (ای سی او) رکھا گیا۔ وسط ایشیائی ریاستوں کی آزادی کے بعد بیرونی دنیا کے ساتھ تعلقات کے قیام کے سلسلے میں انھوں نے ای سی او میں رکنیت حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ ای سی او میں رکنیت حاصل کرنے کی پشت پر ان کی طرف سے ایک ایسی دنیا میں شمولیت کا احساس تھا، جس کے ساتھ وہ تہذیبی اور تاریخی رشتوں کے علاوہ مذہبی روابط کے ذریعے بھی منسلک ہیں۔ ای سی او کی وزارتی کونسل کے دوسرے اجلاس (منعقدہ ۶ فروری ۱۹۹۲ء) کے دوران ترکمنستان اور ازبکستان نے تنظیم میں شمولیت کی باضابطہ درخواستیں پیش کیں۔ ۱۶-۱۷ فروری ۱۹۹۲ء کو تہران میں منعقدہ ای سی او کے سربراہی اجلاس میں ان دونوں ریاستوں کو تنظیم میں باضابطہ رکنیت دے دی گئی۷۶۔ دیگر ریاستوں کو مبصر (observer) کی حیثیت سے تنظیم میں شامل کیا گیا۔ نومبر ۱۹۹۲ء تک افغانستان سمیت دیگر ریاستوں کو بھی تنظیم میں باقاعدہ رکنیت دے دی گئی۷۷۔

ای سی او کے پلیٹ فارم سے اجتماعی تعلقات کے قیام کے سلسلے میں ایرانی کوششوں اور تجاویز و منصوبوں پر اظہار خیال سے قبل ایران - سابق سوویت ریاستوں کے مابین باہمی دو طرفہ تعلقات کے موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔

ایران - روس تعلقات

دسمبر ۱۹۹۱ء میں تہران میں ایران اور روس کے مابین سوویت یونین کے انہدام کے بعد کی نئی علاقائی صورتحال کے تناظر میں ماسکو - تہران تعلقات کا رخ متعین کرنے کے لیے مذاکرات

ہوئے۔ سوویت زمانے میں ایران اور ماسکو کے درمیان طے شدہ معاہدات کا جائزہ لینے (اور اگر ضروری ہو تو ان میں ترمیمات کرنے) کے لیے ماہرین کی کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔ ان مذاکرات کے دوران دو طرفہ تعلقات کی نئی جہتوں کی دریافت پر بھی زور دیا گیا۔ اس سے قبل نومبر ۱۹۹۱ء میں دونوں ممالک کے مابین سیاسی' اقتصادی اور سائنسی شعبوں میں تعاون کے سلسلے میں مفاہمت کی ایک یادداشت پر دستخط ہو چکے تھے۔ مذاکرات کے دوران دونوں ممالک نے اس بات پر اتفاق کیا کہ سوویت دور میں تہران اور ماسکو کے مابین طے پانے والے دوطرفہ تعاون کے منصوبوں پر عمل جاری رکھا جائے گا۔ ان مذاکرات کے دوران تہران اور ماسکو کے مابین طے پانے والے ۱۹۲۱ء کے سمجھوتے کی متنازعہ شقوں پر بھی بحث و مباحثہ ہوا۔ واضح رہے کہ اس معاہدے کی دفعات ۵ اور ۶ کے تحت ماسکو کو یہ حق دیا گیا تھا کہ ایرانی علاقوں میں روس مخالف سرگرمیوں کی صورت میں وہ اپنی افواج ایرانی علاقوں میں داخل کر سکے گا۔ ۱۹۷۹ء میں ایران نے اس معاہدہ کی مذکورہ بالا دونوں دفعات کو یکطرفہ طور پر منسوخ کرنے کا اعلان کیا۔ ایران کے اس یکطرفہ فیصلے پر ماسکو کی طرف سے کسی ردعمل کا اظہار نہیں گیا تھا چنانچہ یہ معاہدہ واقعتاً" متروک العمل ہو چکا تھا۸۷۔

مارچ ۱۹۹۳ء میں دونوں ممالک کے مابین "دوطرفہ تعلقات کے بنیادی اصولوں" (Basic principles for bilateral Relations) کے مسودے پر تہران میں دستخط ہوئے۔ تہران اور ماسکو کے مابین دو طرفہ تجارت میں روس سے خام مال' دھاتیں' مشینری اور دفاعی سازو سامان کی ایران کو برآمد کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ ۱۹۸۹ء میں سوویت یونین کے انہدام سے قبل دونوں ممالک کے مابین ایک طویل مدتی دفاعی معاہدے پر دستخط ہوئے تھے' جس میں خلائی تحقیق اور جوہری توانائی کے پرامن استعمال میں ایران کے ساتھ تعاون کے علاوہ تہران کو ہلکے پانی کے ری ایکٹر کی ممکنہ فراہمی پر بھی اتفاق کیا گیا تھا۔ روسی حکام نے سوویت انہدام کے بعد بھی ایران کے ساتھ طے پانے والے اس سمجھوتے پر عمل کرنے کی بار بار یقین دہانی کرائی ہے۔ خلائی تحقیق میں تہران کے ساتھ تعاون کے سلسلے میں روسیوں کو یہ مشکل پیش آئی کہ خلائی تحقیق کے اکثر سٹیشن روسی فیڈریشن میں نہیں بلکہ قازقستان میں واقع ہیں۔ مئی ۱۹۹۲ء میں تاشقند میں منعقد ہونے والے "آزاد ممالک کی دولت مشترکہ" کے سربراہی اجلاس میں ایک سمجھوتے پر دستخط ہوئے جس کی رو سے قازقستان کے بیکو نور (Bay konur) "سپیس وہیکل لانچنگ سائٹس" (خلائی گاڑی چھوڑنے کے مراکز) کو مشترکہ طور پر استعمال میں لایا جائے گا۹۷۔ اس سمجھوتے کے تحت روس کے لیے

(قازقستان کے تعاون سے) ۱۹۸۹ء کے تہران - ماسکو سمجھوتے کے خلائی تحقیق میں تعاون سے متعلق شقوں پر عملدرامد بھی ممکن ہوگیا ہے۔ ماسکو کی طرف سے مذکورہ سمجھوتے کے تحت ایران کے ساتھ جوہری شعبے میں جاری تعاون' بڑھتے ہوئے ماسکو - مغرب تعلقات کے تناظر میں انتہائی حساس معاملہ بن گیا ہے۔ اگست ۱۹۹۲ء میں امریکہ کی سینیٹ نے ایک قرارداد منظور کی جس کی رو سے روس کو دی جانے والی اقتصادی امداد کو ماسکو کی طرف سے ایران کے ساتھ جوہری شعبے میں تعاون کے خاتمے اور تہران کو اسلحہ کی سپلائی بند کرنے سے مشروط کرنے کا مطالبہ کیا گیا۸۰۔ دوسری طرف واشنگٹن انتظامیہ اور امریکی مقننہ میں روس کو دی جانے والی امداد میں اضافہ پر اتفاق نے امریکی سینیٹ کی مذکورہ بالا قرار داد کو غیر موثر کردیا ہے۔ تاہم ماسکو - ایران تعلقات کے حوالے سے امریکی خدشات روز بروز بڑھ رہے ہیں۔ امریکہ ایران کو خطے میں "عدم استحکام کا مرکزی نکتہ" سمجھتا ہے۔ امریکیوں کے مطابق ایران "اسلامی بنیاد پرستی کی سرپرستی کا مرکز" ہونے کے ساتھ ساتھ عالمی دہشت گردی کی پشت پناہی کرنے والا ملک ہے۔ وہ ایران کو مشرق وسطی اور نو آزاد وسط ایشیائی ریاستوں میں احیائے اسلام کی تحریکوں کی سرپرستی کا ذمہ دار سمجھتے ہیں۔ مغرب و امریکہ کے ان خدشات کے باوجود ماسکو اور تہران میں فوجی اور دفاعی شعبوں میں تعاون جاری ہے۔ ماسکو نے اس سلسلے میں امریکی دباؤ قبول کرنے سے انکار کردیا ہے۔

روسی' بعض معاملات میں ایران کے ساتھ اختلافات کے باوجود' یہ سمجھتے ہیں کہ ایران کے ساتھ طویل مدتی تعلقات اور تعاون ماسکو کی ضرورت ہیں۔ وسطی ایشیا اور قفقاز (اور حتی کہ آزاد ممالک کی دولت مشترکہ میں شامل دیگر غیر مسلم ممالک جیسے یوکرین) کے ساتھ ایران کے بڑھتے ہوئے تعلقات کی بنا پر اور خطے میں ماسکو کے مفادات سے متضاد سرگرمیوں سے حتی الامکان گریز پر مبنی تہران کی پالیسیوں کے پیش نظر کریملن کے موجودہ حکمران ایران کے ساتھ خوشگوار تعلقات کو علاقائی توازن (regional balance) برقرار رکھنے کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۸۱۔

روس - ایران تعلقات کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ سابق سوویت یونین کی وارث روسی فیڈریشن نے سوویت اسلحہ کی روایتی منڈیاں کھو دی ہیں۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد اسلحہ کی تقریباً" تمام علاقائی مارکیٹوں پر مغرب اور امریکہ چھا گئے ہیں۔ ایسی صورت میں روس کو اپنی بگڑتی ہوئی اقتصادی صورت حال کو سنبھالا دینے کے لیے ایک یقینی (secure) مارکیٹ کی ضرورت ہے۔ امریکہ تہران کو عالمی برادری میں الگ تھلگ کرنے کی زبردست کوششوں میں مصروف ہے۔ اگرچہ اب آثار یہ ہیں کہ یورپ تہران کے خلاف امریکی پالیسیوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہے'

اور متعدد یورپی ممالک ایران کے ساتھ اقتصادی اور دفاعی شعبوں میں تعاون و اشتراک کی دوڑ میں شریک ہوتے نظر آرہے ہیں۔ ایران نے یوکرین کے ساتھ بھی ایرانی تیل اور گیس کے بدلے مشینری، صنعتی آلات اور ہتھیاروں کی فراہمی کا سمجھوتہ کیا ہے۔ دوسری طرف چین اور شمالی کوریا بھی ایران کو اسلحہ سپلائی کرنے والے اہم ممالک رہے ہیں۔

اس پس منظر میں ماسکو کی کوشش ہے کہ ایران کی "اسلحہ کی وسیع منڈی" کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ روس کو یہ خطرہ بھی لاحق ہے کہ ایران کو دفاعی شعبے میں یوکرین، چین، شمالی کوریا اور قازقستان کی طرح کے بعض دیگر ممالک پر انحصار کرنے پر مجبور کرنے کے نتیجے میں روس کے اس جنوبی پڑوسی کی فوجی صلاحیت نامناسب حد تک بڑھنے کا امکان پیدا ہو جائے گا۔ روسی سمجھتے ہیں کہ چین اور دیگر ممالک ماسکو کی طرح خطے میں "توازن قوت برقرار رکھنے" کی زیادہ پروا نہیں کریں گے[۸۲] کیونکہ ایران خطے میں ان کے لیے کسی بھی طرح باعث تشویش نہیں بن سکتا۔ اس کے برعکس روس کے "قریبی بیرون" میں ماسکو کے مستقبل کے تعین میں ایران ایک اہم کردار کا حامل ملک ہے۔ چنانچہ ماسکو کے لیے اس کے ساتھ اقتصادی، دفاعی اور سائنسی شعبوں میں قریبی تعاون کے ذریعے اس کی "صلاحیتوں" پر مسلسل نظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

خود روس کی بدلتی ہوئی داخلی سیاسی صورت حال کے تناظر میں (قوم پرست اور کمیونسٹ قوتوں کی انتخابات میں کامیابی) روس میں مغرب مخالف رجحانات کو تقویت مل رہی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ روسی خارجہ پالیسی میں تبدیلی کے آثار نظر آنے لگے ہیں۔ جنوری ۱۹۹۶ء میں یوجینی پریماکوف کے بطور نئے وزیر خارجہ تقرر سے ان اندیشوں کو مزید تقویت ملی کہ روس بین الاقوامی امور اور خاص کر مشرق وسطی کے معاملے میں مغرب و امریکہ کی پالیسیوں کی غیر مشروط تائید و حمایت کے موقف کو خیرباد کہنا چاہتا ہے۔ امریکہ کے ایک سرکاری عہدے دار (پیٹر روڈمان) نے پریماکوف کی وزیر خارجہ کے عہدے پر تقرری کو روس کی خارجہ پالیسی میں مغرب مخالف رجحانات کے غلبہ کی علامت قرار دیا تھا[۸۳]۔ حالیہ عراق - امریکہ بحران میں روس کی طرف سے عراق کے خلاف طاقت کے استعمال کی زبردست مخالفت سے اس بات کی تصدیق ہو گئی ہے کہ روس مشرق وسطی میں از سرنو اپنا دائرہ اثر قائم کرنا چاہتا ہے اور اس سلسلے میں اس کی نظر ایران اور عراق دونوں پر ہے۔ عراق پر اقتصادی پابندیوں کے جلد خاتمے کی روسی خواہش کو اسی تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ مغرب کی طرف سے ایران کی "بنیاد پرستی" کی زبردست تشہیر کے باوجود روسی ایرانیوں سے خائف نظر نہیں آتے۔ ماسکو کی "رشین اکیڈیمی آف سائنسز"

کے اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ سے منسلک الیکسی مالا شنکو کے بقول "روس کے سیاسی افق پر نمودار ہونے والی نئی سیاسی قوتوں میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جو روس اور ایران کے درمیان بڑھتے ہوئے تعاون کے خاتمے کی خواہشمند ہو"۸۴۔

ماسکو کے حکمران طبقے کے علاوہ حزب اختلاف کے کمیونسٹ اور قوم پرست عناصر بھی ایران سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ اگرچہ روسی سیاسی حلقوں میں عام طور پر "اسلامی بنیاد پرستی" کے خطرے کا احساس پایا جاتا ہے تاہم روسی (اور خاص کر کمیونسٹ اور قوم پرست عناصر) "اسلامی بنیاد پرستی" کو مغرب کی بڑھتی ہوئی توسیع پسندی (ناٹو میں سوویت بلاک کے ممالک کی رکنیت کی حوصلہ افزائی اور دیگر اقدامات) کے خلاف مزاحمت میں "فطری حلیف" بھی تصور کرتے ہیں۸۴۔

روس اور ایران کے مابین بین الاقوامی اور علاقائی سطح پر بعض معاملات پر اختلافات بھی پائے جاتے ہیں تاہم بحیثیت مجموعی دونوں ایک دوسرے کو اپنا "سترا تیجی شریک" کار سمجھتے ہیں۔ ایران اور زار شاہی روس کے مابین طے پانے والے معاہدہ گلستان (۱۸۱۳ء) کے تحت روس کے علاوہ کسی کو بھی بحیرہ کیسپین میں جنگی جہاز یا بحری بیڑہ رکھنے کے حق سے محروم کردیا گیا تھا۔ سوویت یونین کے انہدام کے بعد سوویت عہد کا کیسپین بحری بیڑا کیسپین کے سواحل سے متصل سابق سوویت ریاستوں میں منقسم ہوگیا۔ ایران بجا طور پر یہ سمجھتا ہے کہ ۱۸۱۳ء کی گلستان ٹریٹی کی متعلقہ شق کالعدم ہوچکی ہے۔ روس کے علاوہ بحیرۂ کیسپین میں آذربائیجان' قازقستان اور ترکمنستان کی بحری موجودگی ایران کو بھی یہ حق فراہم کرتی ہے کہ وہ یہاں ساحلی ملک کی حیثیت سے اپنی بحریہ تشکیل دے۸۶۔

تاہم بحیرہ کیسپین سے متعلق ایک اور اہم معاملے پر روس اور ایران کے مواقف یکساں ہیں۔ ایران اور روس کا موقف ہے کہ کیسپین ایک بحیرہ (جھیل) ہے' سمندر نہیں ہے' چنانچہ اس پر سمندری حدود سے متعلق بین الاقوامی قانون کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔ اور نتیجتاً" اس میں موجود معدنی دولت اور قدرتی وسائل ساحلی ممالک کی مشترکہ ملکیت ہیں۔ آذربائیجان' ترکمنستان اور قازقستان کیسپین کو سمندر قرار دیتے ہوئے اپنے اپنے ساحلی علاقوں میں واقع قدرتی وسائل کی بلا شرکت غیرے ملکیت کے دعویدار ہیں۔ بہرحال یہ معاملہ ہنوز حل طلب ہے۔ بحیرہ کیسپین کے ساحلی ممالک کا وزارتی کمیشن اس مسئلے کے تصفیے کے لیے کوشاں ہے۸۷۔

بحیرہ کیسپین سے متعلق ایک اور اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ ۱۹۴۰ میں سابق سوویت یونین اور ایران کے مابین طے پانے والے سمجھوتے کے تحت بحیرہ کیسپین کے قدرتی وسائل کو (ایران اور

سوویت یونین کی) مشترکہ ملکیت قرار دیا گیا تھا۔ چنانچہ ان ذخائر کے نصف پر ایران اور نصف پر سوویت یونین کے حق ملکیت کو تسلیم کیا گیا تھا۔ اب جب کہ سوویت یونین بکھر چکا ہے اور بحیرہ کیپیئن کے سواحل پر روس اور ایران کے علاوہ تین دیگر ساحلی ریاستیں وجود میں آچکی ہیں تو اب کیپیئن کے قدرتی وسائل کی تقسیم کا فارمولا کس اصول کے تحت طے کیا جائے گا۔ ایران کی خواہش ہوگی کہ ۱۹۴۰ء کے معاہدہ کے مطابق وہ بحیرہ کیپیئن کے قدرتی وسائل کے نصف کا مالک رہے اور باقی نصف سوویت یونین کی وارث چاروں ریاستوں میں تقسیم ہوں۔ ظاہر ہے روس اور کیپیئن کے دیگر تین ساحلی ممالک ۱۹۴۰ء کے سمجھوتے کی منسوخی کو ترجیح دیں گے اور بحیرہ کے قدرتی وسائل کی پانچوں ریاستوں میں مساوی تقسیم کے موقف کی تائید کریں گے۸۸۔

روس اور ایران کے مابین ان اختلافات کے باوجود دونوں ممالک کی خارجہ پالیسیوں میں ایک دوسرے کو مرکزی مقام(corner stone) کی حیثیت حاصل ہے۔ روس اپنی کھوئی ہوئی ساکھ بحال کرنے کی تگ و دو میں مصروف ہے اور اس سلسلے میں اسے شرکاء کار (partners) کی ضرورت ہے۔ مغرب اور امریکہ سے روسیوں کی بدظنی اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی ہے۔ روسی امریکہ کے "نیو ورلڈ آرڈر" میں اپنی ثانوی حیثیت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اور روسی خارجہ پالیسی میں کچھ اس نوعیت کی تبدیلیاں متعارف کرائی جارہی ہیں جن کا مقصد علاقائی طاقتوں کے ساتھ "تزویراتی اشتراک کے سمجھوتوں" کے ذریعے بین الاقوامی توازن قوت میں (روسی نقطۂ نظر سے) مثبت تبدیلی لائی جاسکے۔ اپریل ۱۹۹۷ء میں چینی صدر کے دورہ ماسکو کے دوران روس، چین، قازقستان، کرغیزستان اور تاجکستان کے مابین اسی نوعیت کے "تزویراتی اشتراک" کے ایک سمجھوتے پر دستخط ہوئے۔ اس موقع پر روس - چین سربراہی اجلاس کے اختتام پر جو مشترکہ بیان جاری کیا گیا اس میں واحد سپرپاور کے تصور اور یک قطبی عالمی نظام سے عدم اتفاق کا اظہار کیا گیا۔ اور روس - چین تعلقات کے اس نئے دور کے بارے میں کہا گیا کہ "یہ ایک نئے عالمی نظام کی تشکیل میں مثبت کردار ادا کرے گا"۸۹۔ اس نئے تزویراتی اشتراک میں بھارت اور ایران کو شامل کرنے کا عندیہ دیا گیا۔ ایرانی صدر نے اس موقعہ پر کہا تھا "روس، چین اور ایران تینوں علاقے کی اہم طاقتیں ہیں جو باہمی تعاون سے علاقے کی تقدیر بدل سکتی ہیں"۹۰۔

ایران مغرب و امریکہ کی طرف سے اس کے گرد قائم کردہ حصار کو توڑنے کے لیے اپنے شمال سے بہت زیادہ امیدیں اور توقعات وابستہ کئے ہوئے ہے اور اس سلسلے میں وہ خاصا کامیاب

رہاہے۔ ایران کی اس کامیابی کی دو بڑی وجوہات ہو سکتی ہیں:

اولا : ایران نے اپنے شمالی پڑوسیوں کے ساتھ تعلقات اور نو آزاد ممالک میں اپنا دائرہ اثر قائم کرنے کے سلسلے میں روسی فیڈریشن (ماسکو) کے مفادات کے لیے خطرہ بننے کی کوشش سے حتی الامکان احتراز کی پالیسی اپنائی ہے۔ اپنی قومی سلامتی کو مستحکم کرنے اور اقتصادی' دفاعی نیز سماجی شعبوں کی تعمیر کے لیے بیرونی تعاون کے حصول کی شمال پر مرتکز(north oriented) ایرانی خارجہ پالیسی میں روسی فیڈریشن کو اولین حیثیت حاصل ہے۔ ثانیا" افغانستان (اور تاجکستان) کے حوالے سے "اسلامی بنیاد پرستی سے خائف روسی نفسیات" کے پیش نظر ایران نے وسطی ایشیا' قفقاز اور روس کے ساتھ تعلقات کے ضمن میں "نظریاتی یا انقلابی" مقاصد کو پس پشت رکھ کر صرف اور صرف قومی مفادات کے حصول کو اپنا مطمح نظر بنا رکھا ہے۹۱۔ تاجکستان میں برپا خانہ جنگی (جس کا نظریاتی پہلو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا) کے بارے میں ایران نے لاتعلقی(hands off) کی حد تک غیر جانبدارانہ رویہ اپنایا۔ تاجکستان میں روسی اور ازبک افواج کی مداخلت پر ایران نے انتہائی محتاط رویے کا اظہار کیا۔ اس نے اپنی غیر جانبداری کے تاثر کو مضبوط کرتے ہوئے فریقین کے مابین مذاکرات کی میزبانی کے فرائض بھی انجام دیے اور بطور ثالث اپنی خدمات بھی پیش کیں۔ تاجک حزب اختلاف کے بعض لیڈروں -- قاضی اکبر تورا جانزادہ اور یوسف شادمان -- کے ایران میں سکونت پذیر ہونے کے باوجود تہران نے تاجک تنازعے کے حوالے سے ماسکو اور دوشنبے کے ساتھ اپنے تعلقات متاثر نہیں ہونے دیے۹۲۔

ازبکستان کے مغرب نواز موقف' اسرائیل کے ساتھ اس کے روز افزوں تعلقات اور اسلامی حزب اختلاف کے خلاف اس کے سخت اقدامات کے باوجود تہران نے تاشقند کے ساتھ روابط کی بہتری کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ ایران کی اس عملیت پسندانہ پالیسی کی بدولت نہ صرف وسط ایشیائی دارلحکومتوں میں بلکہ خود ماسکو میں ایران کے لیے خیر سگالی کے جذبات پروان چڑھے۔ مارچ ۱۹۹۵ء میں تہران کے دورے پر آئے ہوئے ایک روسی اہل کار اندرانک مگرانیان نے کہا : "ایران ایک بڑی طاقت ہے۔ روس - ایران تعاون کے ذریعے وسطی ایشیا اور ماورائے قفقاز میں متعدد مسائل و مشکلات کو حل کیا جاسکتا ہے"۔ مذکورہ روسی اہل کار نے مزید کہا: "بین الاقوامی سطح پر بہت سارے شعبوں میں ایران روس کا اچھا "تزویراتی شریک کار" ثابت ہو سکتا ہے۔ اس شراکت کے ذریعے خطے میں دیگر قوتوں کی تسلط پسندانہ پالیسیوں کی روک تھام کے علاوہ توازن قوت کو بھی قائم رکھا جاسکتا ہے"۹۳۔ بنیادی بات یہ ہے کہ ایران وسطی ایشیا اور

قفقاز میں اپنی سرگرمیاں ماسکو کو اعتماد میں لے کر جاری رکھے ہوئے ہے۔ روسیوں کو بخوبی معلوم ہے کہ ایران کس حد تک جاسکتا ہے۔ مزید یہ کہ ایران اور مغرب کے درمیان کشمکش جاری ہے اور اس کشمکش کے مستقبل میں جاری رہنے کا امکان ہے۔ روسی یہ سمجھتے ہیں کہ مستقبل قریب میں مغرب (خاص کر امریکہ) اور ایران کے درمیان افہام و تفہیم کے امکانات کم ہیں۔ اس لیے وہ ایران کی سرگرمیوں سے زیادہ خائف نہیں ہیں۔ مزید برآں ماسکو وسط ایشیائی جمہوریاؤں کو (اپنے قدرتی وسائل کی ترقی اور بیرونی منڈیوں تک ان کی ترسیل کے لیے اقدامات پر مسلسل روسی اعتراضات کے نتیجے میں پیدا شدہ) گھٹن اور ناامیدی کی کیفیت سے بھی باہر نکالنا چاہتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ انہیں ایران کے راستے بھی بیرونی منڈیوں تک رسائی حاصل کرنے کی اجازت نہیں دیتا تو یہ جمہوریائیں کلیتاً" اس کے اثر و نفوذ سے آزاد ہونے کی راہ اختیار کرسکتی ہیں۹۴۔

روس - ایران تعلقات کی متعدد جہتیں ہیں' لیکن دونوں ممالک کے درمیان تعاون کے درج ذیل تین شعبے انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔

اولاً: دونوں ممالک کے مابین عسکری شعبے میں تعاون روز افزوں ہے۔ ۱۹۸۹ء میں دونوں ممالک کے درمیان طے پانے والے سمجھوتے کی رو سے ۱۹۹۱ء میں سابق سوویت یونین نے ایک بلین ڈالر کی لاگت کا اسلحہ ایران کے ہاتھ فروخت کیا۔ ۱۹۹۲ء میں ایران کو سپلائی کئے جانے والے اسلحہ کی لاگت ۶ بلین ڈالر تک پہنچ گئی۔

ثانیاً: ایران میں ایٹمی تنصیبات کے قیام / تکمیل کے لیے روس اور ایران میں تعاون جاری ہے۔ بوشہر میں روسیوں کے تعاون سے زیر تعمیر دو ایٹمی پاور پلانٹ آئندہ دو تین سال تک پایہ تکمیل کو پہنچ جائیں گے۔ ان پاور پلانٹس کی پیداواری گنجائش ۱۲ سو میگا واٹ فی پلانٹ ہوگی گرگان میں بھی روس کے تعاون سے (۲×۴۴۰ میگاواٹ کے ری ایکٹرز) کے ایٹمی پاور پلانٹ کی تعمیر کامنصوبہ زیر غور ہے۹۵۔ بوشہر ایٹمی تنصیبات کے منصوبے کے پہلے مرحلے کی تکمیل پر ایران روس کو ۸۰۰ ملین ڈالر ادا کرے گا۔ ۳ بلین ڈالر' منصوبے کے دوسرے مرحلے کی تکمیل پر روس کو ادا کئے جائیں گے۔ ۱۵۰ کے قریب روسی ماہرین منصوبے پر کام کر رہے ہیں۔ رشین اکیڈمی آف سائنسز کے اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے الیکسی مالا شنکو کے بقول :"ایران ایٹمی توانائی کمپلیکس کے قیام کی غرض سے آذربائیجان' قازقستان اور تاجکستان سے پہلے ہی بنیادی مواد حاصل کر چکا ہے اور اس وقت وہ تین نیوکلیر وارہیڈ بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے"۹۶۔ ایران بہرحال اس قسم کی خبروں کی مسلسل تردید کرتا رہا ہے۔ ایرانیوں کے مطابق ان کا جوہری پروگرام

خالصتاً" پرامن مقاصد کے لیے ہے اور ان کی جوہری تنصیبات جوہری توانائی کی بین الاقوامی ایجنسی کے معائنہ کاروں کی مسلسل نگرانی میں کام کررہی ہیں جنھوں نے مسلسل (حتی کہ اچانک اور پہلے سے غیر مقرر کردہ تنصیبات کے) معائنوں کے بعد بھی اس کے جوہری پروگرام کے پرامن ہونے کی تصدیق کی ہے۔ ایران این پی ٹی کا رکن ملک ہے اور اس نے حال ہی میں جوہری دھماکوں پر پابندی کے جامع سمجھوتہ (سی ٹی بی ٹی) پر بھی دستخط کرلیے ہیں۔ جوہری توانائی کی بین الاقوامی ایجنسی کے سربراہ ہانز بلکس (Hans Blix) نے (Great Openness in Iran) کے نام سے اپنے ایک مقالے میں اس بات کی پرزور تردید کی ہے کہ ایران جوہری توانائی کو فوجی مقاصد کے لیے ترقی دینے کا خواہاں ہے۔ ہانز بلکس نے آسٹریا کے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ تمام تر امریکی الزامات کے باوجود امریکہ یا کسی دوسرے ملک نے آئی اے ای اے (IAEA) کو ایسی کوئی شہادت مہیا نہیں کی ہے جس سے ثابت ہو کہ ایران این پی ٹی کے تحت اپنی ذمہ داریوں سے انحراف کا مرتکب ہو رہا ہے۹۷۔ اپریل ۱۹۹۵ء میں روسی وزیر خارجہ اندرے کوزیروف نے کہا تھا: "روس ایران یا کسی اور ملک کو جوہری (اسلحہ سازی کی) صلاحیت یا جوہری ٹیکنالوجی فراہم نہیں کرے گا۔ روس ایران کو ہلکے پانی کا ری ایکٹر مہیا کرے گا جس طرح کا ری ایکٹر امریکہ نے شمالی کوریا کو مہیا کرنے کی پیشکش کی ہے۔ اس قسم کا ری ایکٹر جوہری ہتھیاروں کے پھیلاؤ کے نقطۂ نظر سے انتہائی محفوظ ہے"۹۸۔ مئی ۱۹۹۵ء میں ماسکو میں منعقدہ صدر کلنٹن اور صدر یلسن کے مابین سربراہی ملاقات میں بھی صدر کلنٹن روسی قیادت کو ایران کو مذکورہ بالا قسم کے ری ایکٹر کی فروخت روکنے پر آمادہ نہ کرسکے۹۹۔

ثالثاً: تیل کی تلاش کے عمل میں ایران - روس تعاون: ایران اور روس دونوں بحیرہ کیسپین کے سواحل سے تیل کے اخراج اور اس کی ترسیل میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ اگرچہ تزویراتی لحاظ سے ایران اور روس کے مفادات یکساں نہیں ہیں، تاہم عمومی طور پر بحیرہ کیسپین میں نودریافت قدرتی وسائل اور تیل کی ملکیت اور حق استعمال سے متعلق روس اور دیگر ساحلی ممالک میں موجود اختلافات روس - ایران تعلقات پر زیادہ اثر انداز نہیں ہورہے ہیں۔ اسی طرح ایرانی سرزمین میں پائپ لائن بچھانے کی تجویز اگرچہ روس کے مفاد میں نہیں ہے تاہم روس کیسپین کے سواحل میں موجود تیل کے ذخائر میں ایرانی حصہ داری سے متعلق تہران کے موقف کی تائید کرتا ہے ۔ روس بحیرہ کیسپین کے قدرتی وسائل پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے دیگر ممالک (مثلاً ایران) کی تائید حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہے۱۰۰۔ امریکہ شروع میں تو بحیرہ کیسپین (اور

ترکمنستان و قازقستان سے) تیل اور قدرتی گیس کے اخراج اور اسے صاف کرکے بیرونی منڈیوں تک ترسیل کے عمل میں ایرانی شرکت کی مخالفت کرتا رہا، تاہم پچھلے سال (۱۹۹۷ء) میں ایران میں آیت اللہ خاتمی -- جو قدرے اعتدال پسند خیال کئے جاتے ہیں -- کے عہدہ صدرات سنبھالنے کے بعد امریکی قیادت نے یہ عندیہ دیا کہ امریکہ ترکمنستان سے ایران کے راستے ترکی تک تعمیر کی جانے والی مجوزہ گیس پائپ لائن کے منصوبے کی مخالفت نہیں کرے گا۔ امریکہ کے موقف میں اس اچانک تبدیلی کا بظاہر مقصد روس اور ایران میں بعد پیدا کرنا ہے کیونکہ امریکیوں کو ایران - روس اشتراک کے تزویراتی مضمرات کا احساس ہونے لگا ہے۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ روس، امریکہ اور یورپ کو، براہ راست روسی مداخلت سے ماوراء خطے میں بچھائی جانے والی پائپ لائنوں کے منصوبوں پر عملدر آمد روکنے کی حتی الامکان کوشش کرتا رہا ہے۔ گذشتہ سات برس سے وہ شیوران اور دیگر ملٹی نیشنل کمپنیوں کی طرف سے قازقستان اور ترکمنستان سے تیل کی ترسیل کی کوششوں میں روڑے اٹکاتا رہا ہے[۱۰۱]۔

روس - ایران تعلقات دونوں ممالک کی ضرورت ہیں۔ ماسکو وسطی ایشیا، قفقاز اور افغانستان میں ایرانی اثر و نفوذ کو قبول کرنے پر مجبور ہے کیونکہ ماسکو کو مشرق وسطی میں داخلے کے لیے ایران کی ضرورت ہے۔ دوسری طرف ایران کو سیاسی اور دفاعی شعبوں میں ماسکو کی امداد کی ضرورت ہے۔ وسطی ایشیا اور افغانستان میں روس (اور کم تر درجے میں وسط ایشیائی ریاستیں) استحکام کے حصول کے لیے ایران کے تعاون کی خواستگار ہیں۔ افغانستان کی بگڑتی ہوئی صورت حال میں ایران کے متوقع کردار کی بدولت "آزاد ممالک کی دولت مشترکہ" کی اندرونی سلامتی کے حوالے سے روس اور "آزاد ممالک کی دولت مشترکہ" (کے دیگر ممالک) کی پالیسیوں میں ایران کو ایک مرکزی مقام حاصل ہے۔ چنانچہ روس محض امریکہ کی خوشنودی کے لیے ایران سے تعلقات بگاڑنے کے لیے تیار دکھائی نہیں دیتا ہے[۱۰۲]۔ بہرحال ایک بات طے ہے کہ ماسکو ایران کو اپنے حریف کے طور پر دیکھنا کبھی بھی پسند نہیں کرے گا۔ اس کے برعکس وہ اسے وسطی ایشیا اور سابق سوویت ریاستوں میں اثر و نفوذ حاصل کرنے کی تگ و دو میں مصروف دیگر حریف ممالک کو لگام دینے کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے[۱۰۳]۔

ایران - قفقاز: دوطرفہ تعلقات

قفقاز کے بارے ایرانی پالیسی کو سمجھنے کے لیے اس خطے کی بعض منفرد خصوصیات کا ادراک